گھر کی جنت میں حائل بعض معاشرتی برائیوں کا ذکر اور قوّام کی پر معارف تفسیر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷رفروری ۱۹۸۶ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

قوموں کی تعمیر کا آغاز گھروں سے ہوتا ہے۔ اگر ہم گھروں کی تعمیر کی طرف پوری توجہ دیں اور وہ معاشرتی خرابیاں جو گھروں سے پیدا ہو کر قوم میں پھیلتی ہیں ان کی وقت پر بیخ کنی کی کوشش کریں تو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ کی مجموعی تصویر بہت ہی حسین ہو جائے گی۔ تمام دنیا میں سب سے زیادہ با اخلاق جماعت ، جماعت احمدیہ ہونی چاہئے۔ محض اس لئے نہیں کہ ہر جماعت کو ہر قوم کو اپنے متعلق بڑی بڑی باتیں کرنے کی عادت ہوا کرتی ہے بلکہ اگر ہم وہی جماعت ہیں یا جو ہمارا دعویٰ ہے تو اس کے سوا کوئی منطقی نتیجہ نکلتا ہی نہیں کہ جماعت احمدیہ کو دنیا کی سب سے زیادہ با اخلاق جماعت ہونا چاہئے کیونکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں دنیا کے سب سے با اخلاق انسان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ساری کائنات میں کبھی ایسا حسین خلق کسی نے نہیں دیکھا تھا جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رونما ہوا اور آپ کے حقیقی غلام ہم ہیں آج۔ یہ ہے ہمارا دعویٰ، اس کے بعد اس کے کوئی سوا منطقی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔ خواہ کوئی دنیا کی کسی بھی تہذیب سے وابستہ ہو، کسی قوم سے وابستہ ہو کسی مذہب سے وابستہ ہو، خواہ اس تہذیب کا نام کسی فلسفے کی بناء پر پڑا ہوا ہو یا کسی اقتصادی پالیسی کی بنا کے اوپر یا مادیت کی بناء پر یا روحانیت کی بناء پر۔ جس طرح

چاہیں اس کو کروٹ بدل کر دیکھ لیں، کسی بھی حیثیت سے کوئی قوم دنیا میں ابھری ہو یا موجود ہو۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں اگر وہ نہیں تو لازماً اس کے اخلاق میں کئی بنیادی نقائص نظر آئیں گے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا، یہ ایک ناممکن بات ہے، زمین و آسمان الٹ پلٹ سکتے ہیں مگر یہ حقیقت نہیں بدل سکتی کہ اخلاق کاملہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے جا سکتے ہیں اور وہ قومیں جو آپ سے وابستگی سے محروم ہیں خواہ کسی ازم کے ساتھ ان کا تعلق ہو، کسی مذہب سے تعلق ہو ان کے اندر لازماً بنیادی اخلاقی نقائص نظر آئیں گے۔

پس ہم نے جب یہ دعویٰ کیا کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اور حقیقی غلام ہیں تو اگر ہم اس دعویٰ میں سچے ہیں تو ساری دنیا کے اخلاق درست کرنے کا دعویٰ کیا ہے، ساری دنیا کے لئے نمونہ بننے کا دعویٰ کیا ہے اور اس پہلو سے بہت ہی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کسی کو یہ توفیق نہیں ملنی چاہئے کہ کسی احمدی کے خلق پر انگلی اٹھا کر دکھا سکے کہ اس میں یہ کجی ہے اور یہ بدی ہے۔ کسی غیر احمدی کے تصور میں بھی نہیں یہ بات آنی چاہئے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو کہ مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں کسی احمدی کے متعلق جائز شکایت کروں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بعض اوقات بہت ہی تکلیف ہوتی ہے یہ معلوم کر کے کہ بعض احمدیوں نے بعض غیر احمدیوں سے بدخلقی کی، بعض غیر مذاہب والوں سے بدخلقی کی، ان کے جائز حقوق دبائے، ان کے ساتھ زیادتیاں کیں، ناانصافیاں کیں۔ بعض دفعہ ان کا تعلق نہیں بھی ہوتا جماعت احمدیہ سے تب بھی مجھے خط لکھتے ہیں اور جب میں تحقیق کرواتا ہوں تو یہ معلوم کر کے بہت ہی تکلیف پہنچتی ہے کہ شکایت کنندہ درست تھا۔ لین دین کے معاملات، دیگر معاملات کے علاوہ عام حسن خلق کے معاملے میں بھی بعض کمزوری دکھا جاتے ہیں۔ جلسوں کے موقع پر اجتماعات کے موقع پر۔ تو یہ تمام باتیں جو بظاہر عوامی باتیں ہیں جن کا باہر کی دنیا سے تعلق ہے۔ اگر آپ غور کریں تو ان خرابیوں کا آغاز گھروں میں ہوتا ہے۔ ماؤں کی کوکھ میں ہی جہنم بھی بن رہی ہوتی ہے اور جنت بھی بن رہی ہوتی ہے۔ گھروں ہی میں جرائم بھی پل رہے ہوتے ہیں اور جرائم کے انسداد کے لئے اصلاحی حالات بھی پیدا ہو رہے ہوتے ہیں۔ گھروں سے اچھل کر جب چیزیں باہر گلیوں میں جاتی ہیں تو شہروں کو بد بھی بنا دیتی ہیں اور شہروں کو اچھا بھی کر دیتی ہیں۔

اس لئے گھروں کی طرف بہت ہی ضرورت ہے کہ ہم توجہ دیں اور بڑی تفصیل کے ساتھ

گھروں کے حالات درست کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر مرد ذمہ دار ہے سب سے پہلے کہ وہ اپنے اخلاق درست کرے۔ ہر عورت ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے اخلاق درست کرے۔ پہلی نسل کے جو لوگ ہیں، بڑی نسل کے لوگ ذمہ داری وہاں سے شروع ہوتی ہے۔ پھر آگے اپنے بچوں کو اپنی بہوؤں کو، اپنے دامادوں کو، اپنے بیٹوں کو اور بیٹیوں کو ان کو بھی ویسے ہی اخلاق سکھانے کی کوشش کی جائے۔

یہ مضمون جو روزمرہ کے معاملات کا گھروں میں کیا ہوتا ہے؟ کیسے اخلاق بگڑتے ہیں؟ کیسے اخلاق بنتے ہیں؟ بہت وسیع مضمون ہے۔ میں نے آج کے خطاب کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اقتباسات چنے ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جیسا کہ باریک نظر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی اس دور میں ویسی کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی اور آپ کسی ایک طرف کی بات نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ آپ کو خدا نے حکم و عدل بنایا تھا۔ آپ کا مزاج نرم تو تھا مگر ایسا نہیں کہ کسی ایک لڑکی کے رونے دھونے پر ساسوں کے خلاف ہی سخت فتویٰ دے دیں یا کسی ایک ماں کے رونے دھونے پر بہوؤں کے خلاف فتوے دے دیں۔ خالصۃً قرآن اور سنت پر مبنی مزاج تھا جس کے نتیجے میں آپ کے مزاج سے ہر بات درست صادر ہوتی تھی۔ اس لئے بہت ہی اہم ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات پر آپکے ارشادات پر غور کریں اور ان کی روشنی میں اپنے گھروں کے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اس کی اطاعت فرض۔ مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ اس کی ناراضگی کی تہہ میں کوئی اور بات تو نہیں۔“

یہ جواب ایک ایسے استفسار کے نتیجے میں آپ نے دیا جس میں یہ پوچھا گیا تھا کہ میری والدہ میری بیوی سے ناراض ہے اور مجھے طلاق کے واسطے حکم دیتی ہے۔ اب یہ واقعات روزمرہ ہمارے معاشرے میں ملتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”والدہ کا بہت بڑا حق ہے اس کی اطاعت فرض ہے مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ آیا اس ناراضگی کی تہہ میں کوئی اور بات تو نہیں ہے جو خدا

کے حکم کے بموجب والدہ کی ایسی اطاعت سے بری الذمہ کرتی ہو مثلاً اگر والدہ اس سے کسی دینی وجہ سے ناراض ہو یا نماز روزہ کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرتی ہو تو اس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ: ۴۹۷)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شریعت کے معاملات کے سوا جن میں خدا کے فرائض کے مقابل پر بظاہر والدہ کے حقوق آتے ہوں وہاں لازماً اللہ کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی لیکن اس کو چھوڑ کر باقی معاملات میں مرد پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ اگر والدہ یہ کہے کہ بیوی کو طلاق دے دو اور اس کی وجہ بیوی کا نیک ہونا نہ ہو، عبادت گزار ہونا نہ ہو، پردہ دار ہونا نہ ہو، یہ وہ امور ہیں جن کا شریعت سے تعلق ہے تو پھر اس بحث میں پڑے بغیر کہ اس میں کیا نقص ہے بیٹے کو ماں کی بات ماننی چاہئے۔ بظاہر یہ بات اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل دنیا کے رجحان سے برعکس بات ہے۔ آجکل کے زمانہ کی جو رفتار ہے اور آجکل کے جو حالات ہیں سوچ اور فکر کی جو نہج ہے یہ تو بالکل اس کے منافی بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب یہ فرماتے ہیں تو آگے اس کی حکمت بھی بیان فرماتے ہیں کہ ہر دفعہ یہ خیال کر لینا کہ ماں کا قصور ہے اور بہو ہمیشہ درست ہے یہ درست بات نہیں ہے۔ ماں کو بیٹے سے بہت محبت ہوتی ہے اور بیٹے کی بھلائی چاہتی ہے اور نہیں پسند کرتی الا ماشاء اللہ کے میرے بیٹے کا گھر اُجڑے۔ اس لئے جب ماں کی طرف سے کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو اس کو اہمیت دینی چاہئے۔ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات بعض عورتیں بہت چالاکی کے ساتھ اپنے مظالم کا شکوہ کرتی ہیں اس رنگ میں کہ دوسرا متاثر ہو جاتا ہے۔

لیکن لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے اندر بعض دفعہ شرارت بھی پائی جاتی ہے۔ ماں سے الگ کرنا بیٹے کو، بہنوں سے الگ کرنا، اپنے دوسرے رحمی رشتوں سے الگ کرنا یہ بنیادی طور پر قرآنی تعلیم کے خلاف ہے اس لئے ہر وہ بات جس میں رحم پر حملہ ہوتا ہو اور قطع رحمی اس کا نتیجہ نکلتی ہو وہ ناجائز اور خلاف شریعت ہے۔ یہ بنیادی اصول ہے جس کو سمجھنا چاہئے۔ اس لئے بہوؤں کے حقوق اپنی جگہ موجود ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں لیکن ماں کے ساتھ بیٹے کا رشتہ قطع کرنے کے لئے اگر کوئی بہو کوشش کرتی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیصلہ کے مطابق جو قرآن وسنت پر مبنی ہے ماں کو یہ بھی حق ہے کہ بیٹے کو کہے کہ اس کو طلاق دے دو۔ فرماتے ہیں:

’’اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کی وجہ سے ساس کو دکھ دیتی ہیں گالیاں دیتی ہیں، ستاتی ہیں، بات بات میں اس کو تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہوا کرتی۔ سب سے زیادہ خواہش مند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے خدا خدا کر کے بیٹے کی شادی کرتی ہے تو بھلا اس سے ایسی امید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بے جا طور سے اپنے بیٹے کی بیوی سے لڑے جھگڑے اور خانہ بربادی چاہے؟ ایسے لڑائی جھگڑوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔‘‘

پھر فرماتے ہیں:

’’بعض عورتیں اوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی بڑی نیش زنیاں کرتی ہیں۔ پس سبب کو دور کرنا چاہئے اور جو وجہ ناراضگی ہے اس کو ہٹا دینا چاہئے اور والدہ کو خوش کرنا چاہئے۔ دیکھو شیر اور بھیڑیئے اور اَور درندے بھی تو ہلائے سے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے ہی دوستی ہو جاتی ہے۔ اگر صلح کی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔‘‘ (ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۴۹۷۔۴۹۸)

اس دوسرے اقتباس کو میں نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاں والدہ اور بیوی کا اختلاف ہو وہاں فوراً بیوی کو طلاق دے کر الگ کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصلاح کی تعلیم دی ہے۔ فرمایا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اصلاح کی کوشش کی جائے۔ دیکھو درندے بھی رام ہو جایا کرتے ہیں اس لئے بدخوئی کو دور کرو۔ لڑنے کے اصل سبب کو معلوم کرو اور حکمت کے ساتھ اس سبب کو دور کرنے کی کوشش کرو اور جب انسان حکمت سے سبب کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ بعض باتوں میں والدہ ہی قصوروار ٹھہرے۔ اس صورت میں بھی والدہ کا حق یہ ہے کہ والدہ کے معاملے میں نرمی سے اصلاح کی کوشش کی جائے اور بنیادی وجہ جس سے والدہ ناراض ہوتی ہے حتی المقدور اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

قوام کی جو تعریف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے اس کی رو سے سب سے اہم اولین ذمہ داری گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھنے کی مرد پر ہے اور مرد کے اوپر یہ ذمہ داری اس طرح پیدا نہیں ہوتی کہ وہ دوسروں کو زبردستی ٹھیک کرے۔ یہ تفسیر ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کہ مرد پر یہ ذمہ داری اس طرح عائد ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو ٹھیک کرے۔ یہ پہلی دفعہ یہ نئی تفسیر میری نظر میں گزری ورنہ جتنے بھی لوگ **قوام** والی آیت کو پیش کرتے ہیں یوں لگتا ہے کہ جیسے مرد کو عورت پر جابر بنا دیا گیا ہے، وہ زبردستی جو چاہئے اس کے ساتھ کرے **قوام** ہے اس کے اوپر حاکم ہے، اس کے اوپر سختی کرنے والا اور جبر کرنے والا ہے، یہ تصور پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقانی تفسیر سنئے بالکل اس کے برعکس تفسیر ہے، آپ فرماتے ہیں:

”عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہک گئے ہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے عَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (النساء:۲۰) مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔ دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں۔“

قوام والی بات بعد میں آئے گی لیکن لمبا اقتباس ہے اس لئے پہلے یہ دو باتیں بڑی اہم ہیں۔ توازن رکھنا فرماتے ہیں:

”دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے کہ دین کا کوئی اثر ہی ان پر نہیں ہوتا اور وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی ہیں اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور کنیزکوں اور بہائم سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے۔ مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں۔ غرض بہت ہی بری طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک

اتار دی دوسری پہن لی۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں۔ آپؐ کی زندگی میں دیکھو کہ آپؐ عورتوں کے ساتھ کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔‘‘

(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد دوم صفحہ: ۲۲۸)

قوام کی یہ تفسیر ہے۔ اس کے بعد آگے مزید معلوم ہوگی کہ قوام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کے ساتھ مقابل پر کھڑا ہو اور بڑی بڑی شیخیاں مارے اور پھر اس کو دبائے اور گالی گلوچ کرے۔ یہ بالکل غلط بات ہے، ہرگز قوام سے اس کا تعلق نہیں۔ قوام کا مطلب ہے عدل پیدا کرنے والا، توازن پیدا کرنے والا۔ ہر انتہاء سے پاک ہو خود اور اپنے گھر کو بھی مختلف انتہاؤں سے بچا کر رکھے۔ ایک طرف عورت کو ایسی چھٹی نہ دے کہ وہ بے حیائی شروع کردے، آوارگی شروع کردے اور اپنی اولاد کو بھی ساتھ برباد کرے اور ان کو بھی لے ڈوبے۔ اور دوسری طرف ایسی سختی نہ کرے کہ جس کے نتیجے میں ہر روز گھر جہنم کا نمونہ بنا رہے۔ عملاً دونوں ہی جہنمیں ہیں اور دونوں جہنموں کا مرد ذمہ دار ہوگا۔ یہ دوسری جہنم جو ہے وہ دنیا کی جہنم ہے، اس دنیا میں جہنم پیدا کرتا ہے انسان اور جب بالکل کھلی چھٹی دے دیتا ہے تو آخرت میں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے جہنم پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ عیسائی ہوا۔ تو عورت بھی اس کے ساتھ عیسائی ہوگئی۔ شراب وغیرہ اول تو شروع کی پھر پردہ بھی چھوڑ دیا۔ غیر لوگوں سے بھی ملنے لگی۔ خاوند نے پھر اسلام کی طرف رجوع کیا تو اس نے بیوی کو کہا کہ تم بھی میرے ساتھ مسلمان ہو اس نے کہا اب میرا مسلمان ہونا مشکل ہے۔ یہ عادتیں جو شراب وغیرہ اور آزادی کی پڑ گئی ہیں نہیں چھوٹ سکتیں۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم صفحہ: ۱۵۸)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’مرد اپنے گھر کا امام ہوتا ہے پس اگر وہی بد اثر قائم کرتا ہے تو اس

قدر بد اثر پڑنے کی امید ہے ۔مرد کو چاہئے کہ اپنے قویٰ برمحل اور حلال موقع پر استعمال کرے۔“

یہ قوّام کی مزید تفسیر ہے یہ غور سے سننے والی۔ پہلے خود متوازن ہو، پہلے خود معتدل ہو، اپنے جذبات کو برمحل استعمال کرنا سیکھے۔

فرماتے ہیں:

تو اس قدر بد اثر پڑنے کی امید ہے کہ مرد کو چاہئے کہ اپنے قویٰ کو برمحل اور حلال موقع پر استعمال کرے مثلاً ایک قوت غضبی ہے جس پر وہ اعتدال سے زیادہ ہو تو جنون کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے۔ جنون میں اور اس میں بہت تھوڑا فرق ہے ۔جو آدمی شدید الغضب ہوتا ہے اس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے۔“ (ملفوظات جلد سوم صفحہ: ۱۵۷)

بہت ہی اہم معاملہ ہے جو شخص شدید الغضب ہوتا ہے اس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے۔

فرمایا:

”بلکہ اگر کوئی مخالف ہو تو اس سے بھی مغلوب الغضب ہو کر گفتگو نہ کرے۔“

تبلیغ کے دوران بھی یہ بہت ہی اہم گر ہے۔ جب کوئی گالی گلوچ شروع کر دے، ایسی غلط زبان استعمال کرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یا اور رنگ میں جماعت کے خلاف تو خاموش ہو کر اس مجلس سے اٹھ آنا بہتر ہے کیونکہ مغلوب الغضب حالت میں انسان اس بات کا بھی اہل نہیں رہتا کہ کسی کو سچا پیغام پہنچا سکے۔

”مرد کی ان تمام باتوں اور اوصاف کو عورت دیکھتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ میرے خاوند میں فلاں فلاں اوصاف تقویٰ کے ہیں جیسے سخاوت، حلم، صبر اور جیسے اسے پرکھنے کا موقع ملتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا اس لئے عورت کو سارق بھی کہا ہے کیونکہ یہ اندر ہی اندر اخلاق کی چوری کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ آخر کار ایک وقت پورا اخلاق حاصل کر لیتی ہے۔“ (ملفوظات جلد سوم صفحہ: ۱۵۷)

پھر فرمایا:

”کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی عورتیں صالحات میں نہ ہوں۔ گو تھوڑی ہوں مگر ہوں گی ضرور۔ جس نے عورت کو صالحہ بنانا ہو وہ خود صالح بنے۔ ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اپنی پرہیز گاری کے لئے عورتوں کو پرہیز گاری سکھاویں ورنہ وہ گناہگار ہوں گے اور جبکہ اس کی عورت سامنے ہو کر بتلا سکتی ہے کہ تجھ میں فلاں فلاں عیب ہیں تو پھر عورت خدا سے کیا ڈرے گی۔ جب تقویٰ نہ ہو تو ایسی حالت میں اولاد بھی پلید ہو جاتی ہے۔ اولاد کا طیب ہونا تو طیبات کا سلسلہ چاہتا ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر اولاد خراب ہوتی ہے اس لئے چاہئے کہ سب توبہ کریں اور عورتوں کو اپنا نمونہ دکھلاویں۔ عورت خاوند کی جاسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنی بدیاں اس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ نیز عورتیں چھپی ہوئی دانا ہوتی ہیں۔ یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ احمق ہیں۔ وہ اندر ہی اندر تمہارے سب اثروں کو حاصل کرتی ہیں۔ جب خاوند سیدھے رستے پر ہوگا تو وہ اس سے بھی ڈرے گی اور خدا سے بھی۔ ایسا نمونہ دکھانا چاہئے کہ عورت کا یہ مذہب ہو جاوے کہ میرے خاوند جیسا اور کوئی نیک دنیا میں نہیں ہے اور وہ یہ اعتقاد کرے کہ یہ باریک سے باریک نیکی کی رعایت کرنے والا ہے۔ جب عورت کا یہ اعتقاد ہو جاوے گا تو ممکن نہیں کہ وہ خود نیکی سے باہر رہے۔ سب انبیاء اولیاء کی عورتیں نیک تھیں اس لئے کہ ان پر نیک اثر پڑتے تھے۔ جب مرد بدکار اور فاسق ہوتے ہیں تو ان کی عورتیں بھی ویسی ہی ہوتی ہیں۔ ایک چور کی بیوی کو یہ خیال کب ہو سکتا ہے کہ میں تہجد پڑھوں۔ خاوند تو چوری کرنے جاتا ہے تو کیا وہ پیچھے تہجد پڑھتی ہے؟ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) اسی لئے کہا ہے کہ عورتیں خاوندوں سے متاثر ہوتی ہیں جس حد تک خاوند صلاحیت اور تقویٰ بڑھاوے گا کچھ حصہ اس سے عورتیں ضرور لیں گی۔ ویسے ہی اگر وہ بدمعاش ہوگا تو بدمعاشی سے وہ حصہ لیں گی۔“

(ملفوظات جلد ۳: صفحہ ۱۶۳-۱۶۴)

یہ ہے جہاں جا کر بات پوری کھل جاتی ہے کہ قوام کا کیا معنی ہے۔قوام کا یہ معنی نہیں ہے کہ مرد خود جو چاہے کرتا پھرے ڈنڈے مار کر عورتوں کو سیدھا کرے۔قوام کا یہ معنی ہے کہ مرد اپنی اصلاح کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے،عورتیں خاوندوں سے متاثر ہوتی ہیں۔اور چونکہ وہ اثر قبول کرنے والی ہیں اس لئے خاوند کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اصلاح کرے اور اس اصلاح کو تاثیر کے طور پر اپنی بیویوں میں رائج کرے۔

بعض دفعہ بعض مرد بد خلقی دکھاتے ہیں یا عورت سے متنفر ہوتے ہیں صرف اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس کی فلاں بات ہمیں پسند نہیں،اس کے اندر فلاں عادت جو ہے وہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔حالانکہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اگر کسی کی بدی کے نتیجے میں اسے چھوڑنا ہو تو خدا کا تو بندے سے پھر تعلق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔کوئی انسان نہیں ہے جو ہر کمزوری سے پاک ہو۔اور خود وہ کمزوریوں سے پاک ہیں؟ کیا ان میں ایسی عادتیں نہیں ہیں جو عورتوں کو ناپسند ہوں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

''ایک مومن اپنی مومن بیوی کے ساتھ بغض و نفرت نہ رکھے۔اگر اس سے اس کا کوئی خلق ناپسندیدہ ہے تو کوئی دوسرا اچھا اور پسندیدہ بھی تو ہے۔اس کے ساتھ کیوں نہیں تعلق جوڑتا۔''(مسلم کتاب الرضاع حدیث نمبر:۲۶۷۲)

اس لئے یہ بہت ہی اہم ایک بہت ہی گہرا حکمت کا راز ہے معاشرے کی اصلاح کے لئے کہ ایک دوسرے کی بدیوں پر نظر ڈال کر متنفر ہونے کی بجائے اچھے پہلوؤں پر نظر رکھ کر محبت بڑھانے کی کوشش کیا کرو اور جس طرح کوئی انسان بھی ایسا نہیں جو بدی سے پاک ہو اسی طرح کوئی انسان بھی ایسا آپ کو نہیں ملے گا جو حسن سے خالی ہو۔بدصورت سے بدصورت انسان میں بھی اور بد خلق سے بد خلق انسان میں بھی حسن کے کچھ پہلو ضرور موجود ہوتے ہیں۔اس لئے یہ وہ راز ہے جس کے نتیجے میں باہمی معاشرہ محبت کے بندھنوں میں باندھا جاتا ہے ورنہ نقائص کو دیکھنے لگیں تو کسی دو شخص کے درمیان ہرگز محبت کا تعلق قائم نہیں رہ سکتا۔

عورتوں کے متعلق گزشتہ مرتبہ میں نے کہا تھا کہ مرد اس بناء پر کہ قرآن کریم نے بعض شرائط کے ساتھ عورتوں کو بدنی سزا دینے کی اجازت عطا فرمائی ہے،اس کا غلط استعمال کرتے ہوئے مارنے

میں نہ صرف یہ کہ جلدی کرتے ہیں بلکہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں اور ان شرائط پر نظر نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا، ہمیں بتاتا ہے کہ کسی ایک موقع پر بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ جیسا کہ میں نے روایت بیان کی تھی حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کو سزا دینے لگے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی سزا سے ان کی بیٹی کو بچایا۔ ایک اور بڑی دلچسپ روایت اس معاملے میں ملتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا اپنا ایک مزاج تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا مزاج بے انتہا نرم تھا اس کے باوجود حضرت عائشہؓ پر ہاتھ اٹھانا بتاتا ہے کہ کس قدر ان کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق تھا۔ اور دوسروں کے متعلق ان کو خیال نہیں آیا کرتا تھا کہ ان پر سختی کی جائے یعنی حضرت ابوبکرؓ سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں کہ یہ مطالبہ کیا ہو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فلاں پر سختی ہونی چاہئے اور فلاں پر سختی ہونی چاہئے۔ مگر حضرت عمرؓ کا مزاج مختلف تھا اس لئے وہ معاشرے کی خرابیاں دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے تھے اور جلد تر سختی پر آمادہ بھی ہو جاتے تھے اور مشورے بھی یہی دیا کرتے تھے، ایک موقع پر ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ وغیرہ کے حوالے سے روایت ہے:

حضرت ایاز بن عبداللہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **لاتضربوا اماء اللہ** (ابوداؤد کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۸۳۴) کہ دیکھو اللہ کی لونڈیوں کو نہ مارا کرو۔ کیسا پیارا طریق ہے نصیحت کا حیرت انگیز۔ فرمایا دیکھو اللہ کی لونڈیاں ہیں یہ اماء اللہ، ان پر ہاتھ نہ اٹھایا کرو۔ خدا کا خیال کیا کرو کہ خدا کی پیار کی نظر پڑتی ہے عورتوں پر، اس کی بندیاں ہیں۔ اس سے زیادہ حسین طریق مردوں کو عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے روکنے کا اور سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اور اس کا اتنا گہرا اثر پڑا، اتنا گہرا اثر پڑا معاشرے پر کہ آپ بظاہر یہ چھوٹی سی بات سن کر یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ جس جس تک یہ بات پہنچی ہے وہاں اس بات نے کیا کیا اثر دکھائے۔ اس کے چند روز بعد حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عورتیں اپنے شوہروں پر غالب آگئیں ہیں۔ یہ چھوٹی سی بات سے جسے آپ بظاہر چھوٹی سمجھ رہے ہیں کہ دیکھو اللہ کی بندیوں پر ہاتھ نہ اٹھایا کرو تمام مدینہ میں مسلمانوں کا حال اس طرح بدلا اس طرح رنگ ان کا الٹا کہ حضرت عمرؓ کو یہ شکایت کرنی پڑی کہ یا رسول اللہ

عورتیں شوہروں پر غالب آگئی ہیں،ان کی جرأت اور دلیری حد سے بڑھ گئی ہے ۔اس پر آپؐ نے بیویوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی اجازت دے دی مگر مارنے کا پھر بھی نہیں فرمایا۔اس کے کچھ عرصہ کے بعد پھر بہت سی عورتیں ازواج مطہرات کے پاس آنے لگیں اور اپنے خاوندوں کی شکایتیں کیں۔ یہ سن کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: ''محمدؐ کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت لے کر آئی ہیں ۔تم میں سے وہ شخص اچھا نہیں ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ بدسلوکی کرے (ابوداؤد کتاب النکاح حدیث نمبر: ۲۱۴۵)۔اس رنگ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاشرے کی تربیت فرمایا کرتے تھے اور تادیب کیا کرتے تھے۔وہی رنگ ہیں جو آج بھی ہمارے کام آئیں گے کیونکہ یہ وہ رنگ ہیں جو پرانے نہیں ہو سکتے۔نہ سورج کی تپش ان کو دھندلا سکتی ہے۔نہ بارش ان رنگوں کو میلا کر سکتی ہے ہمیشہ کے لئے دائم رہنے والے رنگ ہیں اور دنیا کے ہر موسم میں یہ رنگ خوب چمکتے ہیں اور خوب حسن دکھاتے ہیں۔اس لئے آج بھی یہی علاج ہے معاشرے کا۔ وہ توازن پیدا کریں جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا فرمانا چاہتے تھے اور اپنے گھر میں کر کے دکھایا۔

جہاں تک معاشرے کی اصلاح کا تعلق ہے اس کے باوجود بعض اوقات طلاق کی مجبوری ہوتی ہے اور ایسے مواقع آجاتے ہیں کہ طلاق دینی پڑتی ہے یا طلاق عورت مانگتی ہے اس کو لینی پڑتی ہے لیکن دونوں معاملات میں جلدی کرنا نہایت نامناسب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف وعید بھی فرمائی۔اس عورت کے مطلق جو طلاق کے معاملے میں جلدی کرتی ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے (ترمذی کتاب الطلاق حدیث نمبر: ۱۱۰۷) یعنی ایسی عورت جو جائز وجہ کے بغیر، حقیقی وجہ کے بغیر خاوند سے طلاق لینے میں جلدی کرے۔فرمایا اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی طلاق میں جلدی کے بہت مخالف تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کا اس زمانہ میں جس رنگ میں آپ نے احیاء کیا ہے، جس طرح دوبارہ جاری فرمایا ہے یہ تو خوش نصیبی ہے ہماری کہ وہ باتیں جو تاریخ میں پڑھا کرتے تھے اس دور میں آپ نے زندہ کر کے دکھائیں اور آج ہمیں اپنے معاشرے میں ان کو اسی طرح جاری کرنا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلاق کو جائز ہونے کے باوجود سب سے زیادہ ناپسند فرماتے تھے۔آپ فرماتے تھے کہ اللہ کے نزدیک سب حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے (ابوداؤد کتاب الطلاق حدیث نمبر:۱۸۶۲) سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے تمام حلال چیزوں میں ایک موقع پر ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! میری بیوی نشوز کرتی ہے اور یہ کرتی ہے اور وہ کرتی ہے۔آپ نے فرمایا کہ پھر اس کو طلاق دے دو۔اس نے پھر عرض کی یا رسول اللہؐ میرے بچے بھی ہیں۔آپؐ نے فرمایا: دیکھو ٹھہرو بچے بھی ہیں۔پھر تمہیں اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔کوشش کرو جس حد تک بھی ممکن ہے اصلاح احوال ہو جائے۔ (ابوداؤد کتاب الطہارہ حدیث نمبر:۱۴۲) اس سے پتہ چلتا ہے کہ طلاق جب بچے ہو جائیں تو اور بھی زیادہ ناپسندیدہ ہو جاتی ہے۔جن حالات کو سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براہ راست اس عورت سے واقف تھے ورنہ یک طرفہ بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلے نہیں دیا کرتے تھے۔یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک طرف کی بات سنتے جبکہ حالات کا خود علم نہ ہوتا اور آپ فیصلہ صادر فرما دیتے۔اس لئے وہ معروف عورت تھی، اس کے اندر کوئی کجی ہوگی، کوئی ایسی بات ہوگی جس کے نتیجے میں آپ نے خاوند کو حق پر سمجھا لیکن جب بچوں کا خیال آیا تو پھر فیصلے کو بدل دیا اور فرمایا کہ دیکھو! نصیحت کرو اور حتی المقدور اصلاح کی کوشش کرو۔اس لئے بچوں کی حالت میں تو طلاق بہت ہی زیادہ احتیاط کا تقاضا کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام بھی طلاق میں جلدی کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ایک موقع پر ایک شخص کا معاملہ پیش کیا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو یہ لکھا ہے کہ اگر وہ بدیدن خط اس کی طرف روانہ نہ ہوگی تو اسے طلاق دے دی جاوے گی۔یعنی اس زمانہ میں ایسے ایسے بھی بوالعجب لوگ ہوا کرتے تھے کہ یہ خط لکھا بیوی کو کہ میرا خط دیکھتے ہی اگر میری طرف روانہ نہ ہوگئی تو طلاق ہوگئی۔سنا گیا ہے کہ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس قدر جلدی قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو ہم کیسے امید کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس کا پکا تعلق ہے۔(ملفوظات جلد سوم صفحہ:۳۴۵)

کیسی حکمت کی بات ہے، کیسی گہری بات ہے۔جو شخص اپنی بیوی سے قطع تعلقی کرنے میں جلدی کرتا ہے یا بیوی خاوند سے ایسے لوگوں کا مزاج ان کو نیکوں سے قطع تعلق کرنے میں بھی جلدی

کرواتا ہے اور اچھی باتوں سے بھی اسی طرح محروم کر دیتا ہے۔ اس لئے اس پر نگاہ رکھنی چاہئے اور تعلق کو جہاں تک ممکن ہو نبھانا چاہئے۔ چھوٹی چھوٹی ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر تعلقات کو منقطع نہیں کرنا چاہئے۔

دراصل ایسی باتیں جو ہمارے معاشرے کو خراب کر رہی ہیں ان کی بنیادی وجہ تکبر ہے۔ تکبر ایک ایسی چیز ہے جو اتنے بھیس بدل کر انسان میں آتا ہے کہ بسا اوقات انسان اس کو پہچان نہیں سکتا۔ سب سے زیادہ خطرناک تکبر نیکی کا تکبر ہوتا ہے اور جو کچھ اپنے پاس ہے اس کے نتیجے میں انسان جس کے پاس وہ چیز نہیں ہے اس کے خلاف بڑے بول بولنے لگتا ہے، اس کو طعنے دینے لگ جاتا ہے۔ اور جو باتیں انسان کے پاس نہیں ہوں ان میں کسی قدر انکسار دکھاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انکسار کہتے ہی اس چیز کو ہیں کہ کچھ ہو اور پھر انسان انکسار دکھائے۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ معاشرے میں تو بالعموم قانون کی طرح یہ بات کارفرما ہے کہ بہت سے فساد دنیا میں نیکی کے تکبر کے نتیجے پر ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اگر نمازی ہے تو وہ غیر نمازی کو اتنی بری آنکھ سے دیکھتا ہے کہ گویا اس سے بڑا کوئی نقص ہی دنیا میں نہیں ہوسکتا اور ہوسکتا ہے وہ خود لین دین میں اتنا کمزور ہو کہ وہ لوگوں کے مال بھی کھا رہا ہو، حرام خوری کر رہا ہو، رشوتیں بھی لے رہا ہو لیکن نماز چونکہ پڑھ رہا ہے اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ نماز سے بڑھ کر نیکی اور کوئی نہیں اور جو غیر نمازی ہے وہ تو ہے ہی جہنمی۔ چنانچہ بے نمازوں کے ساتھ وہ نہایت ہی درشتی سے پیش آتا ہے ان کو بری نظر سے دیکھتا ہے، ان کو اپنے سے ادنیٰ سمجھتا ہے۔ اور ایسے خاوند اپنی بیویوں سے زیادتی کر رہے ہوتے ہیں بظاہر نیکی کے معاملے میں اور ایسے باپ اپنے بچوں سے سختیاں کر رہے ہوتے ہیں بظاہر نیکی کے نام پر۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے دوسرے مزاج ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ محض نیکی کا تکبر تھا۔ نیکی سے محبت نہیں تھی کیونکہ اگر نیکی سے محبت ہوتی تو باقی باتوں میں بھی وہ نیک ہوتے۔

اپنا نقص جہاں ہے وہاں انسان نرمی دکھا دیتا ہے۔ ایک آدمی لین دین کے معاملے میں بالکل صاف ہے وہ بڑے زور زور سے حملے کرتا ہے دوسرے انسان پر لیکن دوسری بدیاں اس میں موجود ہیں ان سے وہ چشم پوشی کر لیتا ہے۔ غرضیکہ ہر جگہ نیکی کا تکبر دنیا میں بہت سے فسادات پھیلانے کا موجب بن جاتا ہے۔ بڑے بڑے پادریوں کے واقعات آپ کو تاریخ میں ملیں گے ان میں بعض نیکیاں پائی جاتی تھیں جن کو بڑے ظالمانہ طور پر انہوں نے اپنے معاشرے میں نافذ کرنے

کی کوشش کی ہے اور جو کمزوریاں پائی جاتی تھیں ان سے وہ آنکھیں بند کر لیتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انکسار رہے ہی یہی کہ کوئی چیز موجود ہو اور پھر انسان اپنے آپ کو Humble بنائے یعنی دوسروں کے سامنے نرمی سے پیش کرے اپنے آپ کو، عاجزی کے ساتھ دوسروں کے ساتھ معاملہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ساری نیکیاں اپنے حد کمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔ اگر نیکی کے معاملہ میں **نعوذباللہ من ذلک** تکبر جائز ہوتا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے بنی نوع انسان سے قطع تعلق ہو جانا چاہئے تھا اور ہر بات میں ہر ایک پر سختی کرنی چاہئے تھی اور آپ نے کسی سے کسی ایک معاملہ میں بھی سختی نہیں فرمائی۔ کون سی نیکی ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے پورے کمال اور عروج تک موجود نہیں تھی لیکن ان نیکیوں کو نافذ کرنے میں آپؐ نے انتہائی انکساری سے کام لیا، نرمی سے کام لیا، محبت اور پیار سے کام لیا۔

اس لئے جب آپ طعنے دیتے ہیں دوسرے کو بدیوں کے تو، بسا اوقات اگر آپ دل پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اپنے نفس کے تکبر کی بناء پر وہ طعنہ دیا جا رہا ہے۔ اس لئے نیکیاں نافذ کرنے کے لئے انکساری ضروری ہے۔ جو نمازی ہے وہ محبت اور انکسار کے ساتھ نماز کو رائج کرنے کی کوشش کرے، دوسرے کو اپنے سے ادنیٰ اور ذلیل نہ سمجھے۔ جو راست گو ہے وہ سچائی کو انکساری کے ساتھ رائج کرنے کی کوشش کرے۔ جو معاملات کا صاف ہے وہ معاملات کے معاملے میں انصاف اور تقویٰ کی تعلیم انکساری کے ساتھ دے اور طعن آمیزی کا طریق اختیار نہ کرے۔ گھروں میں بھی بہت سی لڑائیاں اسی بناء پر ہوتی ہیں۔ ایک خاوند میں ایک خوبی ہے جو اس کی بیوی میں نہیں ہے وہ اس خوبی کے اوپر اپنا سر اتنا اونچا کر لیتا ہے کہ ادنیٰ سی بھی کمزوری اس میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اور جو برائیاں اس میں ہیں وہ اس کو نظر ہی نہیں آ رہی ہوتیں۔ اور ان معاملات میں پھر وہ نرمی کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ برائیاں تو اس لئے راسخ ہو جاتی ہیں گھر میں وہ چونکہ خود برائیوں میں مبتلا ہے ان کو دور نہیں کر سکتا۔ نیکیاں اس لئے راسخ نہیں ہوتیں کہ نیکیاں راسخ کرنے کا طریق متکبرانہ ہوتا ہے اور اس سے ردعمل پیدا ہوتا ہے۔

میں نے کئی گھروں میں دیکھا ہے کہ جن کے بچے بالکل برعکس تصویر بنا رہے ہوتے ہیں۔

ایک باپ ہے جو سچ کے معاملے میں سختی کر رہا ہے بچے جھوٹے بن رہے ہیں۔ایک باپ ہے جونمازوں کے معاملے میں سختی کر رہا ہے اور بچے بے نمازی ہو رہے ہیں۔ایک ماں ہے جو پردہ کے معاملے میں سختی کرتی ہے تو بیٹیاں بے پردبن رہی ہوتی ہیں۔ یہ الٹ تصویریں کیوں بن رہی ہوتی ہیں؟ جہاں بھی تصویریں برعکس بن رہی ہوں وہاں بنیادی نقص آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ اس معاملے میں تکبر سے اور نخوت سے کام لیا گیا ہے اور نخوت اور تکبر ردعمل پیدا کرتے ہیں۔اس لئے نیکیوں کو اگر ناجائز طریق پر نافذ کرنے کی کوشش کریں گے، سوسائٹی میں جاری کرنے کی کوشش کریں گے تو نیکیوں کی بجائے الٹ چیز پیدا ہوگی۔اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا:

وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ (العصر:۴)

کہ وہ حق بات ہی کی نصیحت نہیں کرتے بلکہ صبر کے ساتھ حق بات کی نصیحت کرتے ہیں اور صبر اور تکبر کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔صبر تو اپنے دل پر دکھ لے کر پھر نیکی کو جاری کرنے کا نام ہے۔اس لئے اصلاحی معاشرہ میں اس بات کو خوب اچھی طرح یادرکھیں کہ جن باتوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیکی عطا فرمائی ہے اور فضیلت بخشی ہے ان باتوں میں انکساری سے کام لیں۔ یہ ہے اسوہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔اگر یہ اسوہ آپ اختیار کریں گے تو پھر انشاء اللہ آپ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی گہرے اثرات پیدا ہو جائیں گے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔اول خدا کی توحید اختیار کرو دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ (ال عمران:۱۰۴)۔ یادرکھو! تالیف ایک اعجاز ہے۔ یادرکھو! جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔وہ مصیبت اور بلاء میں ہے اس کا انجام اچھا نہیں۔میں ایک کتاب بنانے والا ہوں اس میں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائیں گے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازی گرنے دس

گز کی چھلانگ ماری ہے دوسرا اس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے اور اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔“

یہ مثال تو بالکل چھوٹی سی ہے لیکن عملاً آپ گھروں کی لڑائیاں اور فسادات پر نظر کریں تو اسی طرح شروع ہوتے ہیں۔ ایک مجلس لگی ہوئی ہے خوش گپیوں کی، بڑے اچھے ماحول میں چائے بھی پی جارہی ہے باتیں ہو رہی ہیں۔ اور انہی سے چھوٹی چھوٹی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک چھوٹی سی بات پر بحث اور وہاں بھی ہمیشہ تکبر ذمہ دار ہوتا ہے فساد کا۔ ایک آدمی نے ایک بات کہی دعویٰ کیا دوسرے نے اسے نیچا دکھانے کے لئے اس سے بڑی بات کہی یا اس کی بات کو جھٹلایا اور رد کیا اور اس سختی کے ساتھ رد کیا کہ اس نے اپنی تحقیر محسوس کی۔ خواہ بات کوئی بھی ہو، بازی گر کے تماشے کی بات ہو یا کوئی اور بڑی بات ہو یا علمی پہلو کی بحث ہو رہی ہو۔ ہمیشہ فسادات تکبر اور نخوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ یا کہنے والا تکبر کے رنگ میں بات کر رہا ہوتا ہے اپنی بڑائی دکھانے کے لئے یا سننے والا احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تکبر کے نتیجے میں۔ فرمایا:

”اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بغض کا جدا ہونا مہدی کی علامت ہے کیا وہ علامت پوری نہ ہوگی۔“

کیسا عجیب رنگ ہے نصیحت کا فرمایا تم میری طرف منسوب ہو رہے ہے، میری سچائی کے دلائل دیتے ہو دنیا کو اور بغض کا دور ہونا تو مہدی کی علامتوں میں سے ایک ہے، کیا تم مجھے جھٹلاؤ گے، اپنے اعمال سے، کیا اس علامت کو پوری کر کے نہیں دکھاؤ گے۔ پھر فرمایا:

”جیسے طبی مسئلہ ہے کہ جب تک بعض امراض میں قلع قمع نہ کیا جاوے مرض دفع نہیں ہوتا۔ میرے وجود سے انشاء اللہ ایک صالح جماعت پیدا ہوگی۔ باہمی عداوت کا سبب کیا ہے؟ بخل ہے، رعونت ہے، خود پسندی ہے اور جذبات ہیں۔ میں نے بتلایا ہے کہ میں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کر دوں گا جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے۔ جو ایسے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں جب تک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں۔ میں کسی کے سبب سے اپنے اوپر

اعتراض نہیں لینا چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے اس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے۔ خشک ٹہنی دوسری سرسبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اس کو سرسبز نہیں کرسکتا بلکہ وہ شاخ دوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو، میرے ساتھ وہ نہ رہے گا جو اپنا علاج نہ کرے گا۔ چونکہ یہ سب باتیں میں کتاب میں مفصل لکھوں گا اس لئے اب میں چند عربی فقرے کہہ کر فرض ادا کرتا ہوں۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ:۳۳۶)

پھر فرمایا:

”پس یاد رکھو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھائیوں کو دکھ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق کے متمم ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ نے آخری نمونہ آپ کے اخلاق کا قائم کیا ہے۔ اس وقت بھی اگر وہی درندگی رہی تو پھر سخت افسوس اور کم نصیبی ہے۔ پر دوسروں پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ بعض اوقات انسان دوسرے پر عیب لگا کر خود اس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ عیب اس میں نہیں لیکن اگر وہ عیب سچ مچ اس میں ہے تو اس کا معاملہ پھر خدا تعالیٰ سے ہے۔“ (ملفوظات جلد سوم صفحہ:۵۷۳)

یہ ایک باریک فرق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے جس کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ دوسروں پر غلط عیب نہ لگاؤ۔ آپ نے فرمایا ہے دوسروں پر عیب نہ لگاؤ۔ پھر آگے دو صورتیں ہیں اگر غلط عیب لگایا گیا ہے کوئی ایسی بدی بیان کی گئی ہے جو دوسرے میں نہیں ہے تو بسا اوقات اس کی سزا یہ مل سکتی ہے کہ وہ عیب تم میں ظاہر ہو جائے اور تم خود اس عیب میں مبتلا ہو جاؤ۔ اگر وہ عیب اس میں تھا تب بھی عیب نہ لگاؤ پھر اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے خدا پر اس کے معاملے کو چھوڑو۔ فرماتے ہیں:

”بہت سے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر معاً ناپاک الزام لگا دیتے ہیں۔ ان باتوں سے پرہیز کرو۔ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاؤ اور

اپنے بھائیوں سے ہمدردی، ہمسایوں سے نیک سلوک کرو اور اپنے بھائیوں سے نیک معاشرت کرو اور سب سے پہلے شرک سے بچو کہ یہ تقویٰ کی ابتدائی اینٹ ہے۔'' (ملفوظات جلد سوم صفحہ:۵۷۳)

پھر فرمایا:

''یہ بڑی رعونت کی جڑ اور بیماری ہے کہ دوسرے کی خطا پکڑ کر اشتہار دے دیا جاوے۔''

بہت بڑی برائیاں ہمارے معاشرے کی اس طرح پھیلتی ہیں دوسرے کی تحقیر کرنا بلکہ اس کے عیب کو پکڑ کر پھر اس کو مشتہر کرنا اور مجالس میں اس کو مذاق کا نشانہ بنانا اس کے عیوب پر ہنسنا اور ٹھٹھے کرنا۔ فرمایا کہ

''یہ بڑی رعونت کی جڑ ہے کہ (یعنی سارا تکبر اس گندی عادت سے پیدا ہوتا ہے) دوسرے کی خطا پکڑ کر اشتہار دے دیا جاوے۔ ایسے امور سے نفس خراب ہو جاتا ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ غرض یہ سب امور تقویٰ میں داخل ہیں اور اندرونی بیرونی امور میں تقویٰ سے کام لینے والا فرشتوں میں داخل کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں کوئی سرکشی باقی نہیں رہ جاتی۔ تقویٰ حاصل کرو کیونکہ تقویٰ کے بعد ہی خدا تعالیٰ کی برکتیں آتی ہیں۔ متقی دنیا کی بلاؤں سے بچایا جاتا ہے خدا ان کا پردہ پوش ہو جاتا ہے۔ جب تک یہ طریق اختیار نہ کیا جاوے کچھ فائدہ نہیں۔ ایسے لوگ میری بیعت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ فائدہ ہو بھی تو کس طرح جبکہ ایک ظلم تو اندر ہی رہا۔ اگر وہی جوش، رعونت، تکبر، عجب، ریاکاری، سریع الغضب ہونا باقی ہے۔ جو دوسروں میں بھی ہے تو پھر فرق ہی کیا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ:۵۷۲-۵۷۳)

پھر فرماتے ہیں:

''میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں باہم نزاعیں بھی ہو جاتی ہیں اور معمولی نزاع سے پھر ایک دوسرے کی عزت پر حملہ کرنے لگتا ہے اور اپنے بھائی

سے لڑتا ہے، یہ بہت ہی نامناسب حرکت ہے یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ایک اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر لے تو کیا حرج ہے۔

بعض آدمی ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی ذلت کا اقرار کئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ان باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔خدا تعالیٰ کا نام ستار ہے۔ پھر یہ کیوں اپنے بھائی پر رحم نہیں کرتا اور عفو اور پردہ پوشی سے کام نہیں لیتا۔ چاہئے کہ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے اور اس کی عزت اور آبرو پر حملہ نہ کرے۔

ایک چھوٹی سی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ قرآن لکھا کرتا تھا۔ایک ملاں نے کہا کہ یہ آیت غلط لکھی ہے۔بادشاہ نے اس وقت اس آیت پر دائرہ کھینچ دیا کہ اس کو کاٹ دیا جائے گا۔جب وہ چلا گیا تو اس دائرہ کو کاٹ دیا۔جب بادشاہ سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ دراصل وہ غلطی پر تھا مگر میں نے اس وقت دائرہ کھینچ دیا کہ اسکی دل جوئی ہو جاوے۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ:۵۷۱-۵۷۲)

یہ وہ باریک مثال ہے کسی نیکی کے ہوتے ہوئے اس میں انکسار کرنا، درست ہوتے ہوئے خوش خلقی سے پیش آنا اور انکساری سے پیش آنا۔سچے ہوتے ہوئے جھوٹوں کی طرف تذلل اختیار کرنا۔ کہ ایک مولوی نے بادشاہ کی غلطی نکالی اپنی طرف سے اور غلطی نہیں تھی۔ وہ وقت ہے کہ جب انسان غلطی پر نہیں ہے کہ اس کو بتائے زور کے ساتھ، شدت کے ساتھ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہ تم خود غلط ہو۔اس وقت اس نے ایک دائرہ کھینچ دیا اور جھوٹ بھی نہیں بولا۔ یہ نہیں کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو دائرہ کھینچ دیا جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ اس لفظ کو کاٹ دے گا اور بادشاہ نے اس لئے دائرہ کھینچا کہ اس دائرہ کو میں کاٹ دوں گا اور اس طرح اس کی دل جوئی بھی ہوگئی۔

تو آخری تان حسن خلق پر ٹوٹتی ہے ہر بات کی اگر آپ کا خلق اعلیٰ درجے کا ہو، اگر آپ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سیکھ لیں کہ جہاں نیکی میں درجہ کمال ہے وہیں عجز بھی ہے۔اور عجز سجتا بھی اس کو ہے جس کے پاس کچھ ہو جس کے پاس ہے کچھ نہیں اس بچارے نے عجز کیا دکھانا ہے۔ ویسی ہی بات ہے جیسے کسی کے گھر میں دال پکی ہو اور وہ کہے کہ جی

جو دال ہے وہ میں حاضر کرتا ہوں۔ اس کو عجز تو نہیں کہہ سکتے۔ وہ تو ہے ہی دال اس بیچارے کو اور کیا کہیں گے سوائے اس کے کہ وہ پاگل ہو بیچارہ عجز کے شوق میں اس کا نام بگاڑ دے جیسے کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک غریب آدمی کسی امیر دوست کے گھر گیا تو اس نے بہت ہی اعلیٰ کھانے پکائے ہر قسم کی خاطر مدارات کی اور جب دستر خوان پر بلایا تو نہایت ہی عمدہ قسم کے کھانوں کو سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ معاف کرو بھائی جو دال دلیہ حاضر تھا میں نے پیش کر دیا۔ یہ تو انکسار ہوا بظاہر۔ عملاً تو یہ انکسار نہیں ہے بلکہ دکھاوے کے رنگ میں یہ بات ہوتی ہے۔ مگر بہر حال اگر وہ اخلاص سے کی جائے تو انکسار رہے۔ اس کے بعد اس غریب دوست نے دعوت کی اور واقعۃً دال تھی اس نے سوچا کہ اتنے اچھے کھانوں کا نام اس نے دال دلیہ رکھا تھا میں دال کو کیا کہوں؟ اس کو کیا نام دوں؟ تو اس نے دال پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضور میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو گندبلا ہے وہ حاضر ہے۔ تو دال کا گندبلا ہی بنایا جاسکتا تھا۔

تو اگر تمہارے پاس کوئی نیکی نہیں ہے تو تکبر کیا کرو گے۔ گند کا نام اس سے بڑا گندا تو نہیں رکھ سکتے۔ انکسار کہتے ہی اس بات کو ہیں کہ خوبی ہے اور اپنی خوبی سے چشم پوشی اسطرح کرنا کہ گویا وہ خوبی نہیں ہے۔ سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل دکھانا یا خدا کے پاک نبی بن کر یہ اس کے حضور یہ عرض کرنا کہ میں تو کرم خاکی ہوں بشر کی جائے نفرت ہوں، انسانوں کی عار ہوں، میرے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

؎ لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگاہ میں بار

(درثمین صفحہ: ۱۲۶)

اس کو انکسار کہتے ہیں، اس کو عجز کہتے ہیں۔ پس اپنی خوبیوں پر عجز کرو اور پھر دیکھو کہ معاشرہ کتنی تیزی کے ساتھ سدھرنے لگتا ہے۔ دوسرے کی بدیوں پر تکبر نہ کرو۔ اپنی کمزوریوں پر انکسار تو دکھانا پڑتا ہی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک انسانی کمزرویوں کا تعلق ہے جو شخص اپنی نیکیوں پر بھی انکسار دکھاتا ہے اپنی کمزوریوں پر تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ خدا کے حضور کٹ مرتا ہے۔ سوائے شرمندگی اور خدا کے حضور ندامت کے آنسو بہانے کے اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا۔ اور جو شخص اپنی

نیکیوں پر تکبر کرتا ہے اس کو بدیوں پر شرمندگی کی توفیق بھی نہیں ملتی۔ان دونوں باتوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ایک ایسا جوڑ ہے جس کو آپ الگ نہیں کر سکتے۔

یادرکھیں کہ جو شخص اپنی نیکی پر متکبر ہے۔میں پھر اس بات کو دہرا دیتا ہوں کہ اس شخص کو اپنی کمزوریاں بسا اوقات نظر نہیں آتیں۔ اور یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں۔اس کے نتیجے میں اس کو ندامت اور استغفار کی توفیق نہیں مل سکتی۔ندامت اور استغفار کی توفیق اسی کو ملتی ہے جو اپنی نیکیوں کے اوپر بھی انکسار دکھاتا ہے اور پھر بدیاں اگر ہوں تو اس کا تو حال ہی کچھ نہیں رہتا بیچارے کا۔وہ تو پانی ہو جاتا ہے اپنے خدا کے حضور۔

اس لئے یہ مسئلہ حل ہو گیا آج ہمارے سامنے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں استغفار کرتے تھے۔اگر آپ ایک یا دو نیکیوں پر انکساری کریں تو آپ خدا کے حضور استغفار کے لئے ایک مزاج پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔اپنی کمزوریوں کے معاملے میں۔وہ نبی جو نبی کامل تھا، جس کو ساری نیکیاں حاصل تھیں اور وہ بھی درجہ کمال تک حاصل تھیں۔اس نے اس لئے سب سے زیادہ استغفار کیا کہ وہ نیکیوں کے معاملے میں متکبر نہیں تھا بلکہ منکسر المزاج تھا۔اور اس نے انکسار کے اور استغفار کے پھر اور بہانے ڈھونڈے۔اس نے یہ کہا کہ جو کچھ بھی مجھے حاصل ہے سراسر اول سے آخر تک خدا کا فضل ہے۔اتنا خدا کا فضل ہے کہ میرے پاس اپنا کچھ بھی نہیں رہا، مجھے بھی وہ بخشے گا تو اپنے فضل سے بخشے گا۔دیکھو!ایک انکسار نے پھر کتنے حسین رنگ دوسرے پیدا کر دیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام بھی یہی عرض کرتے ہیں اپنے رب کے حضور۔

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

(درثمین صفحہ:۱۲۵)

پس معاشرے کی اصلاح شروع ہوگی تو آپ سے شروع ہوگی۔گھروں کی اصلاح شروع ہوگی تو مرد اول ذمہ دار ہیں۔مردوں کو قوام بننا پڑے گا۔لیکن قوام ان معنوں میں جن معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے کہ دوسرے کی اصلاح اپنی اصلاح کے ذریعہ کریں۔اور اپنی اصلاح کے ذریعہ دوسرے میں اس کی تاثیر جاری کریں۔صحبت

صالحین جس کو کہتے ہیں۔ یہ وہ تعریف ہے قوام کی۔ کہ مرد قوام ان معنوں میں ہے کہ وہ خود صالح بنتا ہے اور اس کی صالحیت میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اور وہ تاثیر اس کے گھر میں اثر دکھاتی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اس کی عورت بھی خوبصورت بننی شروع ہو جاتی ہے اخلاقی لحاظ سے اور پھر اس کی اولاد میں بھی وہ تاثیر جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ انکسار کا دامن پکڑ لیں کسی معاملے میں تکبر نہ کریں اگر آپ تکبر نہیں کریں گے تو آپ کے منہ سے دکھ کا کلمہ نہیں نکلے گا۔ خواہ وہ بحث ہو رہی ہو یا کوئی معاملہ آپس میں کوئی انسانی معاملہ ہو۔ ہر معاملے میں تکبر اثر انداز ہو رہا ہوتا ہے اس لئے انکسار سیکھیں اور انکسار سیکھیں حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیونکہ آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔

حقیقت یہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے انکسار کا اگر صحیح مفہوم انسان سمجھ جائے تو ساری دنیا کی دولتیں اس کو میسر آ جاتی ہیں۔ بعض لوگ بیچارے انکسار کا مفہوم نہ سمجھنے کے نتیجے میں انکسار میں بھی تکبر کر رہے ہوتے ہیں۔ اتنا دھوکہ ہے اس مسئلے میں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ ایک امیر آدمی اپنی عمارت کا رعب جتانے کے لئے کہتا ہے کہ جی میرا معمولی سا گھر ہے۔ پس چھوٹی سی کٹیا ہے آپ تشریف لائیں۔ میرے گھر میں اور انکسار نہیں ہو رہا ہوتا۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ دیکھو جی میری چھوٹی سی کٹیا دیکھو گے تم بڑے بڑے لوگوں کے محلوں سے بھی افضل ہے۔ اپنے کو کھانے جب وہ برا بھلا کہتا ہے بظاہر تو وہ بھی انکسار کی وجہ سے نہیں بلکہ دکھاوے کا ایک رنگ ہے، ایک برتری کے اظہار کا ایک طریق ہے۔ اس لئے عجیب بات ہے کہ ہمارے تو انکسار میں بھی تکبر پایا جاتا ہے۔ جب معاشرے بگڑتے ہیں تو یہ حال ہو جاتا ہے بیماریوں کا۔

اس لئے حکمت کے ساتھ آنکھیں کھول کر معاملہ کریں۔ بہت ہی بڑی ذمہ داری ہے جماعت احمدیہ کی کہ نہ صرف اخلاق پیدا کریں بلکہ اخلاق کو مکارم تک پہنچائیں اور مکارم سے آگے بڑھا کر مکارم اخلاق کو بھی زینت بخشیں۔ اگر ہم ایک با اخلاق جماعت بن جائیں جو سچے معنوں میں با اخلاق ہو جن اخلاق کی بنیاد تقویٰ پر ہوتی ہے، حکمت پر ہوتی ہے۔ تو پھر دیکھیں کہ آپ کے دوسرے کام کتنے آسان ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلے تو اس کا اجر آپ کو اپنے گھروں میں ملنا شروع ہو جائے گا۔ وہ گھر جو جہنم

بنے ہوئے ہیں ہم میں سے بہت سے لوگوں کے لئے وہ جنت بن جائیں گے۔ بے وجہ لڑنا، بے وجہ ایک دوسرے کو گالیاں دینا، دکھ دینا، طعنے دینا، مصیبت پڑی ہوئی ہے دونوں فریق کو، نہ طعنے دینے والا خوش نہ وہ خوش جس کو طعنے دیئے جارہے ہیں۔ خواہ مخواہ گھر ٹوٹ رہے ہیں، جہنم کا نظارہ ہے۔ گھر تو تسکین کے لئے ہوتے ہیں۔ ان گھروں میں اپنے حسن خلق کے ذریعہ جنتیں پیدا کریں۔ اگر یہاں کی جنت نصیب نہ ہوئی تو وہاں کی جنت کے خواب بالکل جھوٹے نکلیں گے۔ یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ وہ معاشرے کی جنت جس کو ایک نبی دنیا میں پیدا کرنے کے لئے آتا ہے وہ پہلے اس دنیا میں اس کو نصیب ہوتی ہے پھر آخرت میں جا کر نصیب ہوتی ہے۔ جنتان کا جو عدہ ہے وہ انہی معنوں میں ہے کہ ہر مومن کے لئے دو قسم کی جنتیں ہیں۔ ایک اس دنیا میں وہ جنت جو وہ اپنے ہاتھ سے بنا رہا ہوتا ہے اور پھر ایک وہ جنت جو خدا اسے اس دنیا میں عطا کرتا ہے۔ بے انتہا بڑھا چڑھا کر اس کو اس پہلے کی جنت سے کوئی بھی نسبت باقی نہیں رہتی۔

اس لئے اپنے معاشرے کو حسین بنائیں۔ ایک پھل تو آپ کو اسی وقت ملنا شروع ہو جائے گا اور دوسرا پھل آپ کو یہ ملے گا کہ بڑی عظیم قوت آپ میں مقناطیسی رنگ کی پیدا ہوگی۔ حسین معاشرے کی طرف ارد گرد کا معاشرہ کھچتا چلا آتا ہے آپ کی تبلیغ میں عظمت پیدا ہو جائے گی، آپ کی بات میں ایک رفعت پیدا ہوگی، بلندی پیدا ہوگی اور آپ اپنے ماحول کو کھینچ کر تیزی کے ساتھ احمدیت میں جذب کرنے لگیں گے اور اپنی ان ذمہ داریوں کو ادا کریں گے جو آج آپ کے کندھوں پر ڈالی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

ابھی نماز جمعہ کے بعد عصر کی نماز جمع ہوگی اور اس کے بعد انشاء اللہ دو نماز جنازہ غائب پڑھائی جائیں گی۔ ایک تو فاطمہ بیگم حضرت سیٹھ محمد عبداللہ الہ دین کی صاحبزادی جو ہندوستان میں رہتی تھیں حیدر آباد دکن میں۔ وہاں سے تشریف لائیں ہوئی تھیں اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے لاہور۔ وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ اپنے بزرگ باپ کی طرح بہت ہی نیک خو، نیک خلق، عبادت گزار اور تقویٰ شعار خاتون تھیں۔

اور دوسرا نماز جنازہ عبدالرحیم صاحب ماریشس والے کہلاتے تھے، یہاں انگلستان

جماعت کے اولین کارکنوں میں سے ہیں۔ جب میں انگلستان میں کچھ عرصے کے لئے تعلیم کے لئے آیا تھا تو اس وقت عزیز دین صاحب اور یہ عبدالرحیم صاحب یہی روح رواں ہوا کرتے تھے یہاں جماعت میں اور کھانا پکانا راتوں کو اٹھ کر عیدوں وغیرہ کے موقع پر، ان کاموں میں یہ دونوں بہت پیش پیش ہوا کرتے تھے۔ یہ ماریشس گئے تھے عزیزوں سے ملنے کے لئے۔ پہلے بھی دل کے مریض تھے لیکن وہاں بیماری عود کر آئی اور وہاں وفات ہوگئی اچانک۔ ان کا لندن کی جماعت پر خاص حق ہے اس لئے ان کی بھی نماز جنازہ غائب ہوگی۔